دیار اعظم گڈھ کے چند غیر معروف مشائخ

از:- قاضی اطہر، مبارکپوری

آٹھویں صدی میں جونپور کی تاسیس ۷۷۲ھ کے بعد خصوصاً شرقی سلطنت کے قیام کے بعد دیار پورب کا قریہ قریہ علماء و مشائخ اور ارباب علم و فضل کا مسکن بن گیا جس میں موجودہ ضلع اعظم گڈھ کا علاقہ بھی شامل تھا۔ اس سرزمین سے بہت سے ایسے علماء و مشائخ اٹھے اور یہیں آسودۂ خاک ہوئے جنکے نام و نشان کا پتہ نہیں ہے، اور تذکرہ و تراجم کی نادر و نایاب کتابوں میں کہیں کہیں ان کا ذکر ملتا ہے جو نہ ہونے کے برابر ہے۔ تلاش بسیار کے بعد ان غیر معروف مشائخ میں چند حضرات کے نام اور مختصر حالات مل سکے ہیں جنکو یہاں بیان کیا جاتا ہے۔ ان بے ترتیب اور منتشر تذکروں سے کچھ نہ کچھ باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

حضرت شیخ یوسف حسن چڑیا کوٹی ۸۲۲ھ آپ علاقہ چڑیا کوٹ کے فاتح، اس کے بانی اور وہاں کے عباسی خانوادہ کے مورث اور جد اعلیٰ ہیں، ان کا تذکرہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں شیخ وجیہ الدین اشرف لکھنوی نے بحر زخار میں اور خزینۃ الاصفیاء کے مصنف نے کیا ہے۔ نیز ایک قلمی کتاب جو چڑیاکوٹ کے کسی عالم کی تصنیف ہے اور فارسی زبان میں ہے، اس کے اوراق مجھے مل گئے تھے اور میں نے ان کو نقل کر لیا تھا، اس میں شیخ یوسف حسن چڑیاکوٹ میں جنگ اور اس کی تاسیس کا ذکر ہے، ان ہی مراجع سے ان کا تذکرہ مرتب کیا جارہا ہے، تین کتابوں میں ان کا مختصر تذکرہ ہے مگر نواحی چڑیاکوٹ کی جنگ و فتح وغیرہ کی تفصیل دوسری جگہ نہیں ملتی ہے اس لئے انکے [illegible] سے اس موضوع کی ابتدار کی جاتی ہے۔ شیخ یوسف حسن کی دینی و روحانی عظمت کا اندازہ [illegible] سے ہوتا ہے کہ وہ حضرت شیخ نصیر الدین اودھی چراغ دہلیؒ کے بھانجے حضرت شیخ نظام الدین

اولیاؒ کے عزیز ترین مرید اور دو واسطہ سے حضرت شیخ عبداللہ شطاریؒ کے فیض یافتہ ہیں۔
بحرزخار میں انکا تذکرہ ان القاب سے شروع ہوتا ہے: "آں شجر بر بار نظامی، وآں آب یافتہ انہار جامی وآں واقف اسرار القاسی، یوسف حسن عباسی چریاکوٹی، فرزند اعزالدین، وخواہر زادہ مخدوم نصیر الدین چراغ دہلوی است" حضرت شیخ نظام الدین کے محبوب ترین مریدوں میں سے تھے، شیخ نظام الدین ان پر بے انتہا شفقت فرماتے تھے، ان کے علم وفہم کیوجہ سے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے، ان کی رائے صوفیہ کے بارے میں اس قدر صائب تھی کہ کوئی بات ان کی روش اور قاعدہ کے خلاف نہیں کہتے تھے، اس کا اندازہ اس واقعہ سے کرنا چاہیئے کہ ایک مرتبہ شیخ نظام الدین اولیار نزہۃ الارواح کا درس دے رہے تھے، اور ہر شخص کی عقل واستعداد کے مطابق مطلب بیان کرتے تھے، شیخ یوسف حسن نے ایک مقام کی ایسی تشریح کی کہ شیخ نظام الدین نے خوش ہوکر اپنا یہ دوھا سنایا۔

سات پانچ جن نہ بابا پچین بول کہیں قیاسی
ان سبھن میں سانچا پانچے یوسف حسن عباسی

ان کی وفات ۱۵ رجب ۸۲۲ھ میں ہوئی۔ (بحرزخار قلمی)

شیخ عبدالحق دہلوی لکھتے ہیں کہ شیخ یوسف چریاکوٹی مشرب شطاریہ کے درویش تھے ان کا حلقۂ ذکر عجیب ہوتا تھا، حلقہ کے درمیان عاشقانہ اشعار پڑھتے تھے، اور وجد میں آ تے تھے، تصوف و روحانیت میں بلند مرتبہ رکھتے تھے، دو واسطہ سے شیخ عبداللہ شطاری سے نسبت رکھتے تھے۔ میرے والد ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے انکو ذکر کی تلقین اس وقت ان کی اولاد دوآبہ کے بعض قصبات میں موجود ہے۔ (اخبار الاخیار ص۲۳۶)

خزینۃ الاصفیار میں ہے کہ شیخ یوسف حسن عباسی چریاکوٹی شیخ نصیر الدین چراغ کے بھانجے اور عمر میں ان سے بڑے تھے، یہ دو بھائی تھے، دوسرے کا نام شیخ کمال الدین تھا۔ شیخ نصیر الدین کبھی کبھی اپنے مرشد و شیخ نظام الدین اولیا سے اجازت لیکر اپنی ہمشیرہ محترمہ کی ملاقات کے لئے آیا کرتے تھے۔ (خزینۃ الاصفیار)

چریاکوٹی عالم نے بیان کیا ہے کہ شیخ کمال الدین حامد کا مزار اور خانقاہ

میں ہے، اور شیخ یوسف حسن شیخ اسماعیل کے نام سے مشہور ہیں جن کا مزار موضع رسول پارہ پرگنہ چریاکوٹ میں ہے۔

سلطان محمد بن تغلق کے دور سلطنت میں شیخ یوسف حسن کو جاگیر عطا ہوئی، اس کے بعد انہوں نے ایک زبردست لشکر لے کر علاقہ چریاکوٹ پر حملہ کیا، یہاں چریا (چیرو) قوم کی بہت بڑی آبادی تھی، او کا ایک مستحکم قلعہ تھا، یہ قوم سرکش اور ظالم تھی لوٹ مار اس کا پیشہ تھا اس کو زیر کرنے کے لئے یہ کارروائی ہوئی، اس قوم سے سلطانی لشکر کا سخت مقابلہ ہوا، باوجودیکہ چریا قوم بندوقوں سے جنگ کر رہی تھی سلطانی لشکر قلعہ کے دروازے تک پہونچ گیا مگر مقامی جنگ بازوں نے دروازہ بند کرا دیا، اس کے بعد سواروں کا ایک دستہ آیا جس نے قلعہ کو فتح کیا اور مقامی لوگوں نے اطاعت قبول کی۔ اس کے بعد شیخ یوسف حسن نے اس علاقہ میں امن وامان قائم کیا اور چریا قوم کے سرداران کے مطیع و معتقد ہو گئے، البتہ انہوں نے گذارش کی کہ ان کا نام باقی رکھا جائے۔ شیخ یوسف حسن نے ان کی خواہش پر اس بستی کا نام یوسف آباد عرف چریاکوٹ (چریا قوم کا قلعہ) رکھا، اس کے بعد اس پورے علاقہ میں اسلام اور مسلمانوں کو شان وشوکت حاصل ہوئی۔

مولوی نجم الدین چریاکوٹی نے یوسف آباد چریاکوٹ کے بارے میں کہا ہے۔

چریا کوٹ خوانندش عوامش ولیکن یوسف آباد ست نامش
فلک تا طرح این آباد بنہاد زخاک پاک جنت کرد بنیاد
چراغ آسماں روشن ز دودش ز جنت می رسد ہر دم درودش

(تذکرہ علمائے ہند ص ۲۳۶) اعظم گڈھ گزیٹیر میں بھی چریاکوٹ کا اصل نام یوسف آباد بتایا گیا ہے۔

حضرت شیخ مبارک چشتی قدس سرہٗ

مولوی سید امام الدین نقوی گلشن آبادی گلزار الاولیا میں لکھتے ہیں کہ آپ مشاہیر اولیا ... میں سے ہیں، عدن کے رہنے والے تھے، چشتیہ کی نعمت وخلافت رکھتے ہیں ... ہندوستان آئے، اور سکندرپور ضلع اعظم گڈھ میں سکونت اختیار کی جب

آپ کی بزرگی نے شہرت کی ، اور خوارق عادات آپ سے ظاہر ہونے لگے ، بادشاہ وقت آپ کا معتقد ہوا ، چند زمینیں انعام آپ کے اخراجات خانقاہ کے لئے مقرر کیں ، ہزاروں لوگوں نے آپ سے فیوضات باطنی اخذ کئے ۱۰۱۶ھ میں آپ کا وصال ہوا ، سکندر پور میں آسودہ ہیں ، تاریخ

بزرگے در سکندر پور مشہور   قناعت پیشۂ در فقر مسرور

اگر سال وفاتش را بجوئید   ؎ مبارک رفت از دنیا بگوئید

شیخ تاج محمد چشتی آپ کے فرزند بھی بڑے صاحب علم و کمال تھے ۱۰۴۲ھ میں انکی وفات ہوئی ۔ اپنے والد ماجد کے متصل آسودہ ہیں ۔ [1]

حضرت میر سید علاء الدین سہروردی ماہلیؒ

میر سید علاء الدین سہروردی حضرت میر سید علی قوام (میر علی عاشقان) کے معاصر صاحب کمال بزرگ تھے ، شاہ محسن الزمان متوطن نور پور نواح ماہل کا بیان ہے کہ ان کا مزار قریہ مذکورہ میں ماہل کے علاقہ میں ہے ، آپ قریہ مذکورہ میں اس کے ایک درخت کے سایہ میں قرار کش ہوئے تو وہاں کے کافر زمیندار نے کئی بار وہاں پر قیام سے منع کیا مگر آپ وہاں سے نہ ہٹے ، زمیندار نے خس و خاشاک جمع کر کے اس درخت کو آگ لگا دی ، آپ نے کہا کہ یہ تدبیر بھی فقیر کے یہاں رہنے کی تدبیر ہے ، اس جلے ہوئے درخت کی راکھ جہاں تک جائے گی وہاں تک فقیر کا عمل دخل ہوگا ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا (بحر زخار کے مصنف وجیہ الدین اشرف کا بیان ہے کہ) آج تک ۱۲۰۱ھ ہے ایک کروہ تک اس علاقہ میں جنگل ہے ، اور روز بروز یہ جنگل بڑھتا جا رہا ہے ، شیر شاہ سوری ایام طفولیت میں اپنے والد کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کی خصوصی توجہ چاہی ، اور ہندوستان کی بادشاہی کا متمنی ہوا ۔ خدا کی شان کہ آخر ایسا ہی ہوا اور شیر شاہ دہلی کا بادشاہ ہوا ۔ (بحر زخار ص ۲۷۱)

حضرت شاہ راجہ اعظم ماہلیؒ

ان کا تذکرہ ان القاب سے شروع ہوتا ہے احوال آرے مالک کمال راسرور ، آن اقلیم کرامت را افسر ، آں بخلفۂ

---

[1] برکات الاولیاء ص ۹۲ ، ۹۳ ، افضل المطابع دہلی ۱۳۲۳ھ ۔

رشد خواجہ حضرت شاہ راجا اعظم سلطان سید اشرف جہانگیر کے خلیفہ ہیں۔ ان کا مزار قصبہ ماہل میں ہے روضہ میں سرہانے کی دیوار میں شگاف ہے کہتے ہیں کہ شاہ راجا اعظم نے فرمایا ہے کہ جو شخص میری زیارت کے بعد اس راستے سے باہر جائے گا اس پر آتش دوزخ حرام ہے۔ ان کے مرقد سے ظاہری و باطنی تصرفات جاری ہیں ان کو راجہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ چند محال کے زمیندار تھے، جذبۂ حق کا غلبہ ہوا تو اس کو چھوڑ کر سلطان سید اشرف جہانگیر سے بیعت ہو گئے اور ان کی تلقین و تربیت سے مرتبۂ ولایت کو پہنچ گئے اس کے باوجود سید اشرف نے ان کے قدیم لقب راجہ کو موقوف نہیں کیا، اسی بنا پر اس لقب سے مشہور ہیں۔ کرامات الاولیاء میں ہے ایک مرتبہ سید اشرف جہانگیر ابراہیم مجذوب کی ملاقات کو گئے، شاہ راجا اعظم بھی ان کے ہمراہ تھے، مجذوب نے کھانا پیش کیا اور شاہ راجہ اعظم سے کہا کہ تم بھی کھاؤ چونکہ ان کے مرشد نے کہا تھا کہ تم تارک نماز کی ہمسائگی بھی قبول نہ کرنا اس لئے کھانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں تارک نماز کے ساتھ کھانا نہیں کھاؤں گا، اس پر مجذوب کو غصہ آیا اور شاہ راجہ پر حملہ کرنا چاہا، سلطان سید اشرف نے معذرت کر کے بیچ بچاؤ کیا، اور وہاں سے اٹھنے کے بعد شاہ راجہ سے کہا کہ مرید کو مرشد کے ارشاد پر ایسا ہی اعتقاد رکھنا چاہیئے۔ البتہ موقع محل کا لحاظ ضروری ہے۔ (بحر زخار ص ۳۴۹، ۳۵۰)

حضرت شاہ منصور مشھولیہ

شیخ وجیہ الدین اشرف ان کا تذکرہ یوں شروع کرتے ہیں "مولانا آں صاحب کشف و کمال، آن باظہار کرامت عدیم المثال، آں بہ نا کس خرق عادات معمور، مشہور روزگار حضرت شاہ منصور" تسبیح گردانی کی کثرت کی وجہ سے انکو منصور مشھولیہ کہتے ہیں، ان کا وطن اصلی جونپور ہے اور شاہجہاں آباد (دہلی) کے محلہ بچے منڈل میں رہتے تھے، خانوادۂ قادریہ میں شیخ عبداللہ بھٹوی کے مرید اور مخدوم جہانیاں سید جلال حسینی بخاری کی روحانیت سے فیض یافتہ صاحب فضل و کرامات اور بابرکت بزرگ تھے، ابتدا میں متاہل نہیں تھے، اور نہ کوئی ذریعہ معاش رکھتے تھے، مخدوم جہانیان کے روحانی اشارہ پر اپنے وطن اصلی جونپور سے ضلع اعظم گڈھ میں چھ سو بیگھ بنجر زمین خرید کر جہانیاں پور کے نام سے بستی بسائی اور باقی زمین زراعت کر کے متاہل زندگی اختیار کی۔

یہاں کی عجیب کرامت ہے کہ اس بنجر زمین میں زرخیز زمین سے بہتر پیداوار ہوتی ہے بلکہ ایک

مرتبہ زعفران بھی اگا تھا، کسی حاکم کو یہ ہمت نہیں تھی کہ اس زمین کی لگان ان کے فرزندوں سے طلب کرے۔ جس نے اس زمین کی ضبطی کا ارادہ کیا اس کا ہاتھ سوکھ گیا اور جس نے اس قسم کی بات کی اسکو لقوہ کی بیماری ہوگئی۔

شاہ منصور کا مزار جہانیاں پور میں زیارت گاہ خلائق ہے، ان کے خلفاء میں یہ چار حضرات ترک و تجرید، عشق و صفا اور علوئے مقامات میں بڑا مرتبہ رکھتے ہیں۔ (۱) شاہ محمد مکی کا مزار جونپور میں ہے (۲) شاہ فانی کا مزار برساٹھ؟ میں ہے (۳) شاہ بالا کا مزار نواح بغداد میں ہے اور (۴) شاہ شمران کا مزار بھی سواد بغداد میں ہے۔ (بحر زخار ص ۵۳۶)

میر سید حمید الدین محمد آبادیؒ

حضرت میر سید حمید الدین بن سید تاج الدین بن سراج الدین بن سید کمال الدین بن سید محمود بن سید اجل ترمذی محمد آبادی سلطان ابراہیم شرقی کے دور حکومت (۸۰۴ھ تا ۸۴۴ھ) میں تھے، محمد آباد میں سکونت رکھتے تھے قاضی شہاب الدین دولت آبادی، میر سید صدر جہاں اجل، اور مخدوم سید اشرف جہانگیر کے معاصر تھے، ان کے پانچ لڑکے تھے۔ (۱) سید محمد (۲) سید حسن (۳) سید محی الدین (خلیفہ دیوان محمد رشید جونپوری) (۴) سید پھول (۵) سید میران، یہ سب کے سب صاحب اولاد تھے (بیاض شاہ اجل الہ آبادی) شاہ میران جان خلف اکبر سید شاہ علی جعفر نے اپنی کتاب تکملۂ وفیات الاعلام میں لکھا ہے کہ حادثہ غدر ۱۸۵۷ء سے چند روز قبل میں اپنے چچا شاہ امین الدین قیصر کے صاحبزادے برادر عزیز شاہ محمد علیم کی شادی کی تقریب میں دلید پور گیا تھا۔ وہاں سے محمد آباد دو فرسنگ پر واقع ہے، درمیان میں ٹونس ندی جاری ہے، مقصد اپنے دادا میر سید حمید الدین کے مزار کی زیارت تھا، حکیم صاحب موصوف؟ اس وقت زندہ تھے، ان سے قبر کا نشان معلوم کیا جو حکیم صاحب کے مکان سے دو میل کے فاصلہ پر ہے، وہاں پہونچکر اپنے دادا کے مزار کی زیارت سے مشرف ہوا۔

سید خان محمد آبادیؒ

سید خان محمد آبادی اور محمد آباد کے دیگر اہل علم کا تذکرہ ایک واقعہ کے ضمن میں شکوٰۃ النبوت تصنیف سید علی موسوی حیدر آبادی میں میر سید اشرف جہانگیر کے ذکر میں ہے کہ وہ اپنے پیر و مرشد شاہ علاء الدین کے حکم سے جونپور (کچھوچھہ) آئے۔ ایک مرتبہ وہاں سے قصبہ محمد آباد گئے اور وہاں کے علماء کی ایک جماعت ملاقات کے لئے آئی۔

تبادلۂ گفتگو ایک رسالہ کی بات نکلی جسکو سید اشرف جہانگیر نے خلفائے راشدین کی منقبت میں لکھا تھا، سب لوگوں نے اس کے دیکھنے کی خواہش کی۔ ملا حسین کتابدار نے سید اشرف کی اجازت سے وہ رسالہ لوگوں کو دیا، جب علما نے دیکھا کہ اس رسالہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب دوسرے خلفاء رضی اللہ عنہم سے زیادہ ہیں تو ان سے بحث ومباحثہ میں سخت رویہ اختیار کیا، سید اشرف نے معقولی ومنقولی انداز میں سمجھایا مگر ان لوگوں نے ایک نہ سنی، اور واپس جاکر سید اشرف کی نسبت رفض کی طرف کی اور ایک استفتار تیار کیا تاکہ جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ اس کو پیش کریں سید خان نہایت عقلمند اور سرآمد گان فضلا تھے، انہوں نے خواب دیکھا کہ سید اشرف جیسا کوئی نہیں ہے۔ جس کو خاطر میں لایا جائے، اور ان سے مقابلہ کرسکے، اگر دارین کی خیریت چاہتے ہو تو توبہ کرکے ان سے معذرت کرو، سید خان نے صبح کو پریشان حال سید اشرف کی خدمت میں ہوکر عرض کیا کہ استفتار کا جواب میں دوں گا، آپ کو زحمت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، چنانچہ نماز جمعہ کے بعد جب استفتار پیش کیا گیا تو سید خان نے سید اشرف سے کہا کہ لوگوں کے خیال میں آپ کی غلطی یہ ہے کہ رسالہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منقبت تھوڑی زیادہ ہے۔ سید اشرف نے اس کا اقرار کرلیا، اس پر سید خان نے کہا کہ یہ غلطی غیر سید کی طرف سے ہو تو قابل گرفت ہے نہ سید سے، اگر کوئی آدمی اپنے ماں باپ کی تعریف میں غلو کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ سنکر علما نے ان سے کہا کہ اس کی دلیل بیان کریں، سید خان نے کتاب جامع العلوم سے یہ عبارت پیش کی الناس ابناء الدنیا ولا یُلام الرجل علی حبّ ابویہ وبمدحہما۔ یعنی لوگ دنیا میں ایک دوسرے کے بیٹے ہیں اور کسی شخص کو اپنے والدین کی محبت اور ان کی تعریف پر ملامت نہیں کی جاسکتی ہے، اس کے بعد تمام معترضین خاموش ہوگئے، اور تمام لوگوں نے سید اشرف سے معذرت کی، سید اشرف نے سید خان کو اولاد کی بشارت دی۔ (مشکوٰۃ النبوت قلمی ص۱۱۹) مخطوطہ میں قصبہ محمدآباد کے بجائے قصبہ محمد پور ہے مگر دیگر مراجع سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ قصبہ محمدآباد کا ہے۔

مولوی سید عبدالکریم

مولوی سید عبدالکریم بن مولوی سید برکت علی کا سلسلۂ نسب چار واسطے سے شاہ نثار علیؒ سے ملتا ہے ۱۲۴۶ھ میں ظفرآباد

میں پیدا ہوئے اور نشو ونما اعظم گڈھ میں ہوئی اور مدفن بھی یہیں ہے، والد مولوی سید برکت علی کے زیر تربیت میں فارسی کی تعلیم ان ہی سے حاصل کی، اس کے عربی کی تعلیم شرح تہذیب تک مولوی ساجد علی محمد آبادی سے پائی، شرح جامی سے شرح وقایہ تک مولوی ولی محمد سے، ملا جلال اور حاشیہ میر زاہد مولانا سخاوت علی سے پڑھکر ملا فقیر شاہ کابلی سے سند فراغت حاصل کی۔ قرأت قاری نور محمد سے پڑھی اور مشق کی، قرآن شریف بہت خوش الحانی اور درد انگیز آواز سے پڑھتے تھے۔ خانوادۂ قادریہ نقشبندیہ میں قاضی عنایت حسین چریاکوٹی سے بیعت تھے، بہترین خطاط اور خوشنویس تھے، عربی و فارسی نظم و نثر میں مہارت تامہ رکھتے تھے، شاعری میں صوفی تخلص تھا اشعار میں فصاحت، بلاغت اور بدائع و صنائع کا اہتمام کرتے تھے، اور لفظی و معنوی رعایت پر خاص توجہ دیتے تھے، نہایت جوان صالح اور ذی استعداد عالم تھے، فراغت کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا، افسوس کہ جوانی ہی میں چھبیس۲۶ سال کی عمر میں آٹھ محرم ۱۲۷۰ھ میں انتقال کیا۔ ان کی خام قبر اعظم گڈھ باغ عیدگاہ میں ہے" (تجلی نور ج ۲ صفحہ ۱۷ تا ۱۹)

قاضی نور اللہ گوپال پوریؒ اور ان کے بھائی قاضی خوب اللہؒ

منل دور میں پرگنہ گوپال پور پرگنہ سگڑی کے مغرب میں تھا جس سے متعلق بہت سے گاؤں اور دیہات تھے، جن میں قاضی سرائے، شیخو پور، غلوہ نصیر الدین پور، بلیر گنج وغیرہ تھے۔ یہاں دو بزرگ اور عالم قاضی نور اللہ اور ان کے بھائی قاضی خوب اللہ گذرے ہیں، جنکا مختصر حال حضرت شاہ ابو الغوث گرم دیوان کے پردادا شاہ اسماعیل بن شاہ ابو الخیر بھیروی (ولادت ۹۳۴ھ اور وفات ۱۰۱۵ھ) کے ذکر میں شمس الدین حیدری نے مناقب غوثی میں بیان کیا ہے یہ کتاب شاہ ابو الغوث گرم دیوان بھیروی لہراویؒ کے حالات میں فارسی زبان میں ہے، شیخ شمس الدین حیدری مصنف مناقب غوثی لکھتے ہیں کہ راقم الحروف ایک تقریب میں قصبہ گوپال پور گیا تھا، اتفاق سے اس جگہ قاضی نور اللہ سے ملاقات ہوئی جو کہ مرد صادق تھے، باتوں باتوں میں قاضی صاحب نے بتایا کہ میں حضرت مخدوم شاہ اسمٰعیل کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، انہوں نے انتہائی توجہ کا مظاہرہ فرمایا اور میرے بھائی قاضی خوب اللہ نے بڑی محنت سے علم حاصل

کیا ہے، تعجب ہے کہ اس دیار ناپرساں میں کوئی شخص ان کا قدر شناس نہیں ہے، پھر فرمایا کہ میرا خیال ہوتا ہے کہ شیخ خوب اللہ کو بلا کر حاکم وقت سے کہوں کہ ان کے حالات کی درستگی پر پوری توجہ کرے، اگر وہ ان کی خدمت کرنے میں توقف کرے تو بادشاہ وقت سے کہوں کہ ان کے لئے وجہ معاش کے طور پر وظیفہ مقرر کر دے، شاہ اسمٰعیل کی باتوں پر میں نے سوچا کہ دیکھنا چاہئے ان کی باتوں کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ چند دن کے بعد دیکھا کہ راجہ عظمت خاں نے بڑی آرزو سے شیخ خوب اللہ کو اپنے یہاں عظمت گڈھ میں طلب کر کے ان کا وظیفہ مقرر کر دیا، مگر کچھ دنوں کے بعد وظیفہ میں کمی کر دی، اور شیخ خوب اللہ برداشتہ خاطر ہو کر شاہ جہاں آباد (دہلی) چلے گئے، اور سلطان وقت نے ان کے احوال و کمالات پر مطلع ہو کر تعمیر احوال پر پوری توجہ دی، اور شیخ خوب اللہ بڑے سکون و اطمینان سے زندگی بسر کرنے لگے شیخ نور اللہ کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد مجھکو شاہ مخدوم اسمٰعیل کی باتیں یاد آئیں اور ان کی تصدیق ہوگئی۔

قاضی نور اللہ نے دوسرا واقعہ یہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں اپنے بھائی شیخ خوب کے ہمراہ حضرت مخدوم شاہ اسمٰعیل کی خدمت میں حاضر ہوا اور فوری ضرورت کیوجہ سے جلد واپس ہونے لگا اور جب رخصت ہونے کی اجازت چاہی تو فرمایا کہ آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ فقیر کے یہاں نان خشک ملے گی، آگے جاکر عمدہ عمدہ غذا ملے گی، میں نے سوچا کہ حضرت مخدوم کی بات صحیح ہوگی اگرچہ یہاں سے گھر تک کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں خشک روٹی بھی ملے، عمدہ عمدہ غذا کہاں ملے گی، راستہ میں اتفاق سے ایک شخص ملا جس نے خبر دی کہ شیخ چھتن جونپوری ایک تقریب میں محی الدین پور تشریف لائے ہیں، مڑہا محی الدین پور رویدہ پور بھیرا کے قریب واقع ہے) میں نے اپنے بھائی خوب اللہ سے کہا کہ مولوی صاحب کی خدمت میں چلنا چاہیئے، میں نے مدتوں ان سے فیض پایا ہے، چنانچہ ہم دونوں مولوی صاحب کی ملاقات کے لئے روانہ ہوئے اور جب ہم وہاں پہونچے تو مولوی صاحب کے سامنے سفرۂ ضیافت بچھایا جارہا تھا، ہم نے بھی عمدہ اور لذیز غذائیں تناول کیں، سبحان اللہ مخدوم اسمٰعیل کے تصرفات کی کوئی حد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو روشن کرامتیں عطا فرمائی ہیں (مناقب غوث قلمی) ان دو واقعات

میں پیدا ہوئے اور نشو ونما اعظم گڈھ میں ہوئی اور مدفن بھی یہیں ہے، والد مولوی سید برکت علی کے زیر تربیت میں فارسی کی تعلیم ان ہی سے حاصل کی، اس کے عربی کی تعلیم شرح تہذیب تک مولوی ساجد علی محمد آبادی سے پائی، شرح جامی سے شرح وقایہ تک مولوی ولی محمد سے، ملا جلال اور حاشیہ میر زاہد مولانا سخاوت علی سے پڑھکر ملا فقیر شاہ کابلی سے سند فراغت حاصل کی. قرأت قاری نور محمد سے پڑھی اور مشق کی، قرآن شریف بہت خوش الحان اور درد انگیز آواز سے پڑھتے تھے. خانوادۂ قادریہ نقشبندیہ میں قاضی عنایت حسین چریاکوٹی سے بیعت تھے، بہترین خطاط اور خوشنویس تھے، عربی و فارسی نظم و نثر میں مہارت تامہ رکھتے تھے، شاعری میں صوفی تخلص تھا اشعار میں فصاحب، بلاغت اور بدائع و صنائع کا اہتمام کرتے تھے، اور لفظی و معنوی رعایت پر خاص توجہ دیتے تھے، نہایت جوان صالح اور ذی استعداد عالم تھے، فراغت کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا، افسوس کہ جوانی ہی میں چھبیس[۲۶] سال کی عمر میں آٹھ محرم ۱۲۷۴ھ میں انتقال کیا. ان کی خام قبر اعظم گڈھ باغ عیدگاہ میں ہے؛ (تجلی نور ج ۲ صفحہ ۱۷ تا ۱۹)

قاضی نور اللہ گوپال پوریؒ اور ان کے بھائی قاضی خوب اللہؒ

مغل دور میں پرگنہ گوپال پور پرگنہ سگڑی کے مغرب میں تھا جس سے متعلق بہت سے گاؤں اور دیہات تھے، جن میں قاضی سرائے، شیخو پور، غلوہ نصیر الدین پور، بلیر گنج وغیرہ یہاں دو بزرگ اور عالم قاضی نور اللہ اور ان کے بھائی قاضی خوب اللہ گذرے ہیں، جنکا مختصر حال حضرت شاہ ابو الغوث گرم دیوان کے پرداداشاہ اسماعیل بن شاہ ابو الخیر بھیروی (ولادت ۱۰۳۴ھ اور وفات ۱۱۰۰ھ) کے ذکر میں شمس الدین حیدری نے مناقب غوثی میں بیان کیا ہے یہ کتاب شاہ ابو الغوث گرم دیوان بھیروی لہراویؒ کے حالات میں فارسی زبان میں ہے، شیخ شمس الدین حیدری مصنف مناقب غوثی لکھتے ہیں کہ راقم الحروف ایک تقریب میں قصبہ گوپال پور گیا تھا، اتفاق سے اس جگہ قاضی نور اللہ سے ملاقات ہوئی جو کہ مرد صادق تھے، باتوں باتوں میں قاضی صاحب نے بتایا کہ میں حضرت مخدوم شاہ اسمٰعیل کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، انہوں نے انتہائی توجہ کا مظاہرہ فرمایا اور میرے بھائی قاضی خوب اللہ نے بڑی محنت سے علم حاصل

ہیا ہے، تعجب ہے کہ اس دیار نا پرساں میں کوئی شخص ان کا قدر شناس نہیں ہے، پھر فرمایا کہ میرا خیال ہوتا ہے کہ شیخ خوب اللہ کو بلا کر حاکم وقت سے کہوں کہ ان کے حالات کی درستگی پر پوری توجہ کرے، اگر وہ ان کی خدمت کرنے میں توقف کرے تو بادشاہ وقت سے کہوں کہ ان کے لئے وجہ معاش کے طور پر وظیفہ مقرر کر دے، شاہ اسمٰعیل کی باتوں پر میں نے سوچا کہ دیکھنا چاہیئے ان کی باتوں کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ چند دن کے بعد دیکھا کہ راجہ عظمت خاں نے بڑی آرزو سے شیخ خوب اللہ کو اپنے یہاں عظمت گڈھ میں طلب کر کے ان کا وظیفہ مقرر کر دیا، مگر کچھ دنوں کے بعد وظیفہ میں کمی کر دی، اور شیخ خوب اللہ برداشتہ خاطر ہو کر شاہ جہاں آباد (دہلی) چلے گئے، اور سلطان وقت نے ان کے احوال و کمالات پر مطلع ہو کر تعمیر احوال پر پوری توجہ دی، اور شیخ خوب اللہ بڑے سکون و اطمینان سے زندگی بسر کرنے لگے، شیخ نور اللہ کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد مجھکو شاہ مخدوم اسمٰعیل کی باتیں یاد آئیں اور ان کی تصدیق ہو گئی۔

قاضی نور اللہ نے دوسرا واقعہ یہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں اپنے بھائی شیخ خوب کے ہمراہ حضرت مخدوم شاہ اسمٰعیل کی خدمت میں حاضر ہوا اور فوری ضرورت کی وجہ سے جلد واپس ہونے لگا اور جب رخصت ہونے کی اجازت چاہی تو فرمایا کہ آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ فقیر کے یہاں نان خشک ملے گی، آگے جا کر عمدہ عمدہ غذا ملے گی، میں نے سوچا کہ حضرت مخدوم کی بات صحیح ہوگی اگر چہ یہاں سے گھر تک کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں خشک روٹی بھی ملے، عمدہ عمدہ غذا کہاں ملے گی، راستہ میں اتفاق سے ایک شخص ملا جس نے خبر دی کہ شیخ چھتن جونپوری ایک تقریب میں محی الدین پور تشریف لائے ہیں، شرہا محی الدین پور ولید پور بھیرا کے قریب واقع ہے) میں نے اپنے بھائی خوب اللہ سے کہا کہ مولوی صاحب کی خدمت میں چلنا چاہیئے۔ میں نے مدتیں ان سے فیض پایا ہے، چنانچہ ہم دونوں مولوی صاحب کی ملاقات کے لئے روانہ ہوئے اور جب ہم وہاں پہونچے تو مولوی صاحب کے سامنے سفرۂ ضیافت بچھایا جا رہا تھا، ہم نے بھی عمدہ اور لذیذ غذائیں تناول کیں، سبحان اللہ مخدوم اسمٰعیل کے تصرفات کی کوئی حد نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو روشن کرامتیں عطا فرمائی ہیں (مناقب غوث قلمی) ان دو واقعات سے

معلوم ہوتا ہے کہ قاضی نوراللہ اور قاضی خوب دونوں بھائی گیارہویں صدی کے مشرقی دیار کے علمار و مشائخ میں سے تھے، اور علمار و مشائخ سے ان کے گہرے تعلقات تھے (خاص طور سے مخدوم اسمٰعیل بھیروی ان پر خصوصی توجہ اور نظر رکھتے تھے۔ شیخ شمس الدین نے قاضی نوراللہ کو مرد صادق لکھا ہے اور مخدوم اسمعیل نے قاضی خوب کے بارے میں کہا کہ "قاضی خوب اللہ تحصیل علم مجد نہایت نمود، عجب کہ درین دیار ناپرسان کسے قدرشناس وے نیست" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے عہد و دیار کے مشہور عالم دین تھے، اور عظمت گڑھ کے بعد دہلی گئے تو ان کے علمی جوہر کی قدرشناسی ہوئی۔ یہ دونوں بزرگ مشہور قومی رہنما قاضی کلیم الرحمن ممبر اسمبلی یوپی کے مورث اعلیٰ ہیں۔

شیخ محمود قریشی بائیسی مبارکپوریؒ

شیخ محمود قریشی بائیسی مبارک پوری شاہجہانی اور جہانگیری دور سلطنت میں مبارک پور کے رئیس اعظم اور بہت بڑے زمیندار و جاگیردار تھے۔ بائیس گاؤں کے مالک تھے، ساتھ ہی مشیخت و بزرگی سے حصۂ وافر رکھتے تھے، تعجب ہے اعظم گڈھ ڈسٹرکٹ گزیٹیر میں ان کا ذکر نہیں ہے جبکہ ان کی زمینداری کا ذکر مبارکپور خاص کے نام سے موجود ہے۔ وہ مولانا شاہ ابوالخیر بھیروی متوفی ۱۰۵۹ھ کے خسر تھے، جو شاہ جہاں کے درباری علمار میں سے تھے اور رشیروشکر نامی کتاب کے مصنف تھے۔ شمس الدین حیدری نے مناقب غوثی میں ان کے حال میں لکھا ہے۔

سہ زنی در سلک ازدواجش در آمدہ بودند، اول دختر شیخ عبداللہ کہ از فرزندان قدوۃ العارفین شیخ اسماعیل قدس سرہ بود، دیگر دختر شیخ محمد اخت ملا محمود جونپوری، اما ازاں شہرف گوہرے بساحل سلامت نرسید، دیگر دختر شیخ محمود قریشی المعروف بائسی مبارک پوری از دہم فرزندے باقی نماند۔ (مناقب غوثی باب ہشتم)

شاہ ابوالخیر کے تین بیویاں تھیں، پہلی دختر شیخ عبداللہ جس سے شیخ اسماعیل پیدا ہوئے، دوسری دختر شیخ محمد ملا محمود جونپوری کی بہن، ان سے کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی اور تیسری دختر شیخ محمود قریشی جو کہ بائسی مبارک پوری کے نام سے مشہور تھے، ان سے بھی کوئی اولاد باقی نہیں رہی۔

شیخ محمود قریشی پانچ کے مالک تھے، جن میں سے ایک جامع مسجد راجہ صاحب کے جنوب میں

تھا. اس کے پاس خندق نامی گڑھی اب تک موجود ہے اور ایک قلعہ املو میں تھا. وہاں ان کے نام سے محمود پورہ ایک محلہ ہے۔ ان کے دو بیویاں تھیں، ایک بیوی کی اولاد کو نور پور، حاجی سرائے کا علاقہ دیا جس میں چک احمد (چکیا) نور پور، آدم پور، پیارے پور وغیرہ گاؤں ہیں اور دوسری بیوی کی اولاد کو نور ہیوتات کا علاقہ دیا جو مبارک پور کے مشرق میں ہے، اسی میں مبارک پور کالج ہے سرکاری کاغذات میں یہ دونوں علاقے اپنے ان ہی ناموں سے ابتک درج کیے جاتے ہیں. آخری دور میں ان کی اولاد میں شیخ گدا حسین مشہور رئیس وزمیندار تھے جنہوں نے ۱۸۵۷ء میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

شیخ محمود قریشی راجہ اعظم خاں کے معاصر تھے اور دونوں میں رقابت رہا کرتی تھی حتیٰ کہ راجہ اعظم خاں نے ایک بہانہ سے انکو دریائے ٹونس کے اس پار اپنے علاقہ میں بلاکر قتل کر دیا، اور ان کی اولاد پر بڑا ظلم وستم کیا جس کی وجہ سے وہ املو کے قلعہ میں روپوش ہو گئے تھے۔ اور لوگ ان کا پتہ بتانے سے ڈرتے تھے، وہاں ابتک یہ مثل مشہور ہے "کون کہے کون بیری ہو، محمود کے بیٹے کوٹھے پر" شیخ محمود قریشی کی قبر دریائے ٹونس کے کنارے لکر ہٹا کے پاس وہاں کے نالے کو عوام "سیکھند کا نالا" کہتے ہیں جو شیخ محمود کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ (۱۲ر ربیع الاول سنہ ۱۳۸۱ھ)

شیخ عبدالحکیم خاں صدیقی

امیر تیمور کی یلغار میں جو اہل علم وفضل ولایت بالا سے ہندوستان آئے، ان میں ایک بزرگ شیخ عبدالحکیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے وہ اپنے خاندان کے اٹھارہ لڑکوں اور جوانوں کے ساتھ سلطان ابراہیم شاہ شرقی کے دور سلطنت (سنہ ۸۰۴ھ تا سنہ ۸۴۴ھ) میں جونپور تشریف لائے، جو ان دنوں سلطان موصوف کی وجہ سے دہلی ثانی اور دار العلوم بنا ہوا تھا سلطان ابراہیم نے ان کی آمد کو غنیمت عظمیٰ سمجھکر ان کی پذیرائی کی اور ان کے لئے بہتر سے بہتر انتظام کیا. گذر بسر کے لئے جاگیر دی، شیخ صاحب کے فضل وکمال کی وجہ سے سلطان کا اعتماد ان کے بارے میں روز بروز بڑھتا گیا اور وہ مقربینِ بارگاہ سلطانی میں شمار ہونے لگے، صاحبزادگان پختہ عمر کو پہونچکر رزم وبزم میں سلطان کے ساتھ ساتھ رہنے لگے، حتیٰ کہ سلطان ابراہیم شاہ شرقی نے ان کی خدماتِ جلیلہ کیوجہ سے خان کے خطاب سے نواز کر نحو پور (سپاہ گوسی) اور دیگر قرب وجوار کے چند پرگنہ جات کی مدار المہامی کا پروانہ عطا کیا، شیخ عبدالحکیم نے اپنی صلاحیت وقابلیت سے